© rasailojaraid.com

اپنی اولاد کو علوم نبوت پڑھایئے

مفتی منیر احمد ثاقب، باغ آزاد کشمیر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

آج ہمارے معاشرے میں خیر کے بجائے شر غالب ہے۔ اللہ اور بندوں کے حقوق سربازار پامال ہو رہے ہیں، جھوٹ، دغا اور فریب کو ہوشیاری کا نام دے دیا گیا ہے، امانت، دیانت، سچائی اور سادگی کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، ہر طرف کھوکھلی مسکراہٹ والے چہرے ہیں جن کے اندر اضطراب و بے چینی کا ایک طوفان ہے، اجتماعی طور پر ہمارے معاشرے میں بے اعتمادی اور بے یقینی کی کیفیت ہے۔ عوام کو اپنے راہنماؤں پر، راہنماؤں کو عوام پر، حکام کو رعایا پر اور رعایا کو حکام پر، افسر بالا کو اپنے ماتحتوں پر اور ماتحتوں کو افسر بالا پر اعتماد و اعتبار ہونا چاہیے، وہ نہیں ہے، ان ضابطے کے تعلقات کے علاوہ مسلمانوں کے آپس کے دیگر خونی اور نسلی نوعیت کے تعلقات کو اگر دیکھا جائے تو وہاں بھی آپس کی یہی بے اعتمادی اور بے یقینی محسوس ہوتی ہے یوں لگتا ہے جیسے تسبیح کے دانے دھاگہ ٹوٹ جانے کے بعد بکھرے پڑے ہیں جن کا آپس میں جوڑ نہیں رہا۔

مسلمانو! کیا یہ بات آپ سے پوشیدہ ہے کہ آج بازاروں میں، دفتروں میں، ہسپتالوں میں، عدالت کے کٹہرے میں تعلیمی اور دیگر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں کسی بات کی اہمیت اس لحاظ سے قطعاً نہیں ہوتی کہ اس میں کس حد تک سچائی اور حقانیت ہے، بلکہ وہاں کسی کی بات کی اہمیت اور اعتبار کے لیے کچھ اور ہی پیمانے ہیں، اور جو وہاں بیٹھے ہیں وہ بھی ہمارے ہی بھائی اور ہمارے معاشرے کے افراد ہیں ان کو بھی جب کسی دوسری جگہ ضرورت پڑتی ہے تو بالکل ان ہی ناپسندیدہ پیمانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

غور فرمائیں! کیا ہماری نادانی کا یہ عجیب تماشا نہیں ہے کہ ان جرائم کو معاشرے میں باقی رہنے دینا خود اپنے ساتھ ظلم کرنا ہے اس لیے کہ بالآخر ضرور ہر شخص کو ان کا نشانہ بننا پڑتا ہے، ایک جگہ نہ سہی دوسری جگہ، اور کسی کو کبھی ان جرائم کا نشانہ بننے کا حادثہ پیش نہ آئے تو ہر شخص معاشرے کے اجتماعی وجود کا حصہ اور جز تو ہے، اس لحاظ سے وجود کو نقصان پہنچنے سے جو ضرر اس وجود کے کسی حصے کو ہو سکتا ہے وہ ضرر تو کم از کم ہر شخص کو پہنچ کر رہے گا، کیا اس ضرر و نقصان سے بچنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔

یہ ایک مرض ہے، ناسور ہے جو پھوٹ کر کئی بیماریوں میں تبدیل ہو چکا ہے، اور ایک عرصہ سے ہمارے معاشرے کے اجتماعی وجود میں لگا ہوا ہے اس کا صحیح علاج جنہوں نے آج تک تلاش کیا مسلمانوں کی بدقسمتی کہ کبھی ان کی بات پر کان نہ دھرا اور جن کے پیچھے چلے وہ در حقیقت اس ناسور کی صحیح تشخیص ہی نہ کر سکے تھے جن سے آج تک وہ مرض روز افزوں ترقی پر ہے، اگر کہیں تھوڑی بہت اس میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ انہی اللہ کے بندوں کی انفرادی کوششوں کی وجہ سے ہوئی جنہیں کبھی ہم لوگوں نے قابل توجہ اور قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیئے ایک بار پھر ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ قوم وملت کے حقیقی نبض شناسوں نے ہماری قومی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں پھیلی ہوئی خرابیوں کے ناسور کی کیا تشخیص اور کیا علاج تجویز کیا ہے، تو سنیئے! کہ اس ناسور کا نام "دین سے دوری ہے" اور دین سے دوری کے مرکزی اسباب دو ہیں (1) صحیح علم دین سے ناواقفیت (2) کم ہمتی اور قوت ارادی کی کمزوری کی وجہ سے علم کے مطابق عمل میں کوتاہی۔

جب کسی بیماری کی تشخیص ہو جائے تو علاج آسان ہو جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تشخیص طبیب حاذق اور ماہر فن کرے، چنانچہ ہمارے معاشرے کی خرابیوں کے مذکور الصدر دو اسباب کی تشخیص اس صدی کے بہت بڑے علامہ، فقیہ اور مجدد نے کی ہے جنہیں حکیم الامت کا لقب دیا گیا اور جن کی ساری زندگی اصلاح وارشاد میں گزری، اس لیے انہوں نے بڑی گہرائی سے مسلمان قوم کی پستی کے اسباب پر غور وفکر کیا اور اپنی تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد کے ذریعے سے اصلاح کے باب میں ایسا قابل ذکر کام کیا جو بڑی بڑی تنظیمیں اور ادارے نہیں کر سکے، اور آج تک ان کی تعلیمات وارشادات میں اصلاح کے راہنما اصول موجود ہیں، یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ذات ہے، وہ اپنی جلیل القدر کتاب "اصلاح انقلاب امت" میں تحریر فرماتے ہیں۔

> "امر اول یعنی تشخیص اسباب انقلاب، اس میں تامل وتدبیر وتتبع کرنے سے معظم اسباب دو امر ثابت ہوئے (1) قلت علم یعنی ناواقفی اور بے خبری (2) ضعف ہمت یعنی قصد وارادہ کی کمی یا فقدان" (اصلاح انقلاب امت ص 21-20)

یہاں ہم اس وقت صرف پہلے سبب (قلتِ علم) کے متعلق کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ علم دین کو ہمارے معاشرے میں جو فروغ ہونا چاہیے تھا اور اس کی جتنی اہمیت اور وقعت ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کتنے فکر انگیز انداز میں ارشاد فرماتے ہیں "یاایہاالناس علیکم بالعلم قبل ان یقبض" اے لوگو، علم مٹنے سے پہلے پہلے حاصل کرلو، نیز فرمایا "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ اور فرمایا "تعلموا العلم وعلموہ الناس" علم حاصل کرو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

یہاں علم سے حضور ﷺ کی مراد علم دین اور علم نبوت ورسالت ہے، جو خیر وشر، نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت دیتا ہے اور جو اجتماعی وانفرادی زندگی میں آدمی کو پیش آنے والے تمام حالات ومعاملات میں اس کے لیے ایک واضح ضابطہ حیات، طریق کار اور حدود مقرر کرتا ہے جن حدود کی رعایت کرتے ہوئے جب معاشرے کا غالب عنصر زندگی گزارے تو زندگی میں ایک خوشگوار توازن، باہمی عدل وانصاف حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی بجاآوری وجود میں آتی ہے۔ ایسا ہی معاشرہ انسانیت کا کامل نمونہ اور مثالی معاشرہ کہلاتا ہے۔

ذرا غور فرمایئے! کہ کیا صرف یہی علم نور وروشنی کے لقب سے ملقب ہونے کا مستحق ہے یا کسی بھی چیز کے محض جان لینے کو یہ درجہ دیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے باقی فنون وہنر تو ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں نور وروشنی صرف اس علم میں ہے جس کی وجہ سے انسان کے قلب ونظر میں ایسی روشنی پیدا ہو جس سے وہ ان حدود کو دیکھے اور پہچان لے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دوسرے انسانوں کے حقوق کے متعلق مقرر کی ہیں اور ان حدود سے آگاہی حاصل کرلے جو حقوق اللہ کے دائرے میں آتی ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں اسی علم کی قلت ہے، مردوں عورتوں میں علم دین کی صحیح واقفیت رکھنے والے کالعدم ہیں اور وہ بھی رفتہ رفتہ اٹھتے جارہے ہیں جس کی وجہ سے جہالت کی تاریک آندھیاں مختلف صورتوں میں ظاہر ہو رہی ہیں اور ہمارا معاشرہ دن بدن پستی وذلت کی طرف جارہا ہے، آغاز گفتگو میں جن معاشرتی برائیوں کا ذکر ہوا ہے وہ سب اسی جہالت کی پیداوار ہیں، شاید کسی کو شبہ ہو کہ کون نہیں جانتا کہ جھوٹ گناہ ہے، رشوت دھوکہ اور ظلم وناانصافی گناہ ہے مگر پھر بھی لوگ کرتے ہیں تو گویا جہالت اس کا سبب نہیں ہے مانا کہ اس میں ایمانی کمزوری، گناہ چھوڑنے میں قوت ارادی کے ضعف کا بھی دخل ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صرف سن سنا کر اتنا جان لینا کہ فلاں کام گناہ ہے اور خود اس بات کا تفصیلی علم حاصل کرنا کہ فلاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائی ہے اس میں یہ یہ قباحتیں اور دنیا و آخرت میں یہ وبال و عذاب ہے، دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اول الذکر علم کا حامل شخص اس برائی و گناہ سے بچنے کا اپنے اندر وہ داعیہ، احساس اور جذبہ نہیں پا سکتا جو جذبہ و احساس موخر الذکر شخص کے دل میں ہوگا یہ تجربے کی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اہل علم کی فضیلت بہت آئی ہے چنانچہ جس معاشرے میں غالب تعداد صحیح علم رکھنے والوں کی ہوگی تو مجموعی طور پر معاشرے میں برائی سے نفرت کا اثر غالب ہوگا جس کی وجہ سے گناہ و برائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ علم جس کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی بقا میں مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان بقاو حیات ہے، اسی میں ان کی دنیوی اخروی کامیابی ہے، اس کے حصول اور فروغ کے لیے مسلمانوں کو ہر ضرورت سے اشد ضرورت سمجھتے ہوئے ہر مقصد سے اہم و اعلیٰ مقصد تصور کرتے ہوئے اپنی کوششیں صرف کرنی چاہئے تھیں لیکن افسوس کہ اس سے مسلمان غافل ہوتے چلے گئے بالآخر ایک خاص طبقے و حلقے تک یہ کوشش محدود ہو کر رہ گئی۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے اور ہماری زندگی کا کتنا دردناک پہلو ہے کہ آئے دن ہمارے سامنے ہمارے ہی بھائیوں کی لاشیں اس حال میں اٹھتی ہیں کہ ان کی زندگی جہالت میں ڈوبی ہوئی ختم ہوتی ہے، زندگی تو بہر حال ایک ختم ہو جانے والی چیز ہے لیکن ساری عمر مال و منال کی تلاش میں یوں کھپا دینا کہ نہ فرائض واجبات کا علم حاصل کیا، نہ حرام و حلال کی تمیز آئی یہاں تک موت کے دامن میں جا پہنچے بہت افسوسناک ہے، ہماری یہ حالت عرب کے جاہلی معاشرے کی حالت کے مانند ہے جس کی منظر کشی قرآن نے کی ہے اور پرسوز اسلوب میں اس پر تنبیہ کی ہے فرمایا الھکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابرO جس کا آزاد مفہوم یہ ہے کہ کثرت مال کی ہوس نے تم لوگوں کو اتنا اندھا کر دیا کہ اور طرف ہوش ہی نہ رہا یہاں تک کہ موت نے تمہیں قبر کے دروازے پر پہنچا دیا۔ آج تقریباً ہمارا یہی حال ہو چکا ہے۔

مسلمانو! ذرا غور فرمائیں، کیا علوم نبوت کی حفاظت اور اشاعت و فروغ کے لیے آپ کی کچھ ذمہ داریاں ہیں یا نہیں اور ان ذمہ داریوں سے آپ کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ چاہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدھی کے خوف کی وجہ سے علماء نے بے سروسامانی کے عالم میں تنہا علوم نبوت کی قندیل آج تک روشن کی ہوئی ہے، مسلمانوں کا ملک اور حکومت ہوتے ہوئے ان کے اس عظیم کام کے لیے نہ سرکاری بجٹ میں کوئی گرانٹ مقرر ہے اور نہ ان کے اداروں کے فضلاء کو سرکاری حیثیت میں کوئی مقام ملتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود اس کام میں مگن ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کو کسی مقام و منصب کی خواہش ہو یا نہ ہو مگر اے مسلمانو! تم بتاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کے دین کے ساتھ آپ لوگوں نے کیا برتاؤ کیا؟ آپ کے حکمرانوں نے دین کو کیا وقعت دی؟ انگریز نے تو ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کا نام مٹا دینے کی غرض سے جہاں اور ظلم و ستم کیے وہاں یہ بھی کیا کہ علماء اور دینی علوم پڑھنے والوں پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند کرنے کا قانون بنایا تاکہ اس علم کو پڑھنے والے معاشی تنگی کا شکار ہوں اور لوگ اس علم کو حاصل کرنا ہی چھوڑ دیں، اس طرح رفتہ رفتہ یہ علم اور اس کے ساتھ ہی مسلمان بھی ختم ہو جائیں گے، کیا آج تک آپ بھی ان کی اس پالیسی کو برابر جاری رکھے ہوئے ہیں؟

دوسری جانب جن تعلیمی اداروں کو سرکاری کہا جاتا ہے اور جن کا نظام و نصاب سرکاری سرپرستی میں ہے اگر انصاف کی نظر سے ہم اس بات کا تجزیہ لگائیں کہ ان سے قوم نے بحیثیت مجموعی علمی، عملی، فنی اور ترقیاتی میدان میں آج تک کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور جس نسل کو اس وقت بھی ان اداروں کے حوالے کیا ہوا ہے ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ اور ان اداروں پر اٹھنے والے اخراجات جو قومی خزانے سے دیے جاتے ہیں، ان کے تناسب سے قوم کو کتنے فیصد کا فائدہ ہوگا تو شاید نتیجہ صفر آئے۔

عنوان یہ لگایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جدید دور کے تقاضوں سے نمٹنے کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی بہت ضروری ہے لہٰذا عصری علوم پڑھائے جائیں، بیشک، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے بلکہ فرض کفایہ ہے، لیکن اسے نادانی کہیے یا دشمنوں کی عیاری کہ اس خوشنما عنوان کا لیبل لگا کر سارا نصاب ہی ایسا بنا ڈالا کہ علوم شریعت کی کوئی اہمیت نہ رکھی، محض اضافی مضمون کی حیثیت دے دی اور وہ بھی انتہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سطحی اور ناقص معلومات پر مشتمل چند کتابچے ہیں اور پوری قوم کے بچوں کو اس خوشنما عنوان کے نام پر ایک بے مقصد و بے کار نصاب تعلیم پر لگادیا، اسی میں ان کی تحصیل علم کی عمریں ختم ہو جاتی ہیں، اور بالآخر جاہل مطلق رہتے ہیں، اپنے دین سے بھی ناواقف اور سائنس و ٹیکنالوجی تو رہی اپنی جگہ پر، ذرا غور سے دیکھئے ہر سال کتنے ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، ماہرین معاشیات، اور سائنس دان ملک میں پیدا ہو رہے ہیں۔

اگر اس بے کار نصاب کے بجائے اسلامی شریعت کے مکمل نصاب کو پڑھایا جاتا اور یہ ہر طالب علم کے لیے لازم ہوتا اس کے بعد ہر ایک کی صلاحیت وذوق کے مطابق خصوصی کلاسیں جاری کی جاتیں جن میں سائنس ٹیکنالوجی کی بھی معیاری اور اعلیٰ تعلیم دی جاتی اور دیگر علوم وفنون کی بھی تو آج معاشرے میں صالح، دیانتدار، راست گو، راست باز افراد کی ایک کھیپ ہوتی جو ملک وملت کے لیے صحت مند خدمات سرانجام دیتی، لیکن آج دیکھیں ان تعلیمی اداروں سے ہر سال ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کیسی کھیپ تیار ہو رہی ہے؟ وہ معاشرے میں کیا گل کھلا رہی ہے؟ اور اس کی اصلاح اور تبدیلی کی کوشش جن قومی راہنماؤں کو کرنی چاہیے تھی، وہ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر ٹس سے مس نہیں ہوتے اور پوری قوم اس تماشے میں ان کے پیچھے ہے، یہ زندہ اور آزاد قوموں کا شعار نہیں، ایسے لوگ دنیا میں مغلوب ہی رہتے ہیں غالب نہیں آسکتے، کیا یہ اپنے ہاتھوں اپنی نسل کشی نہیں ہے؟

معاشرے کی خرابیوں کو تو سب روتے ہیں مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ خرابیاں کیوں پیدا ہو رہی ہیں، جب ہم اپنے بچوں کو اور ستم یہ کہ بچیوں کو بھی ایسی تعلیم دیں گے، گویا دوسرے الفاظ میں اسلامی آداب واخلاق سے جاہل رکھیں گے تو وہ تمام خرابیاں پیدا ہوں گی جن کی ہم سب کو شکایت ہے بلکہ اس سے زائد ہوگی، نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو علوم نبوت سے جاہل رکھنا ہی ان کی ہر برائی کے لیے کافی ہے۔

اور ہمارا یہ قومی المیہ ہے کہ ہم نے اسی بے کار و بے مقصد نصاب تعلیم پر اپنی بیٹیوں کی زندگیوں کو بھی لگادیا ہے، ان اداروں میں رہتے ہوئے فطری عفت وحیا کا ماحول یا درس ملنے سے تو رہا، البتہ یہ ہوا کہ ان کو گھر کی چاردیواری میں رہتے ہوئے جو فطری عفت وحیا کے جذبات باقی رہتے گھر سے نکال کر ان جذبات کا بھی جنازہ نکال دیا۔ ان کو کالج وسکول کی صورت میں ایسی ہم جولیوں کا ایک جمگھٹا دے دیا جاتا ہے جہاں ان کے گونگے جذبات کو زبان مل جاتی ہے، عیب فیشن بن کر سامنے آجاتا ہے۔ اور بے حیائی کو ماڈرن اور جدت پن کے عنوانات سے مزین کیا جاتا ہے، اور کون نہیں جانتا کہ آئے دن ہم لوگوں کو اس برائی کے مکروہ نتائج دیکھنے اور سننے میں آتے رہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر یہ دیکھا جائے کہ ایک مسلمان خاتون ہونے کی حیثیت سے ان کو یہاں سے اپنی عملی زندگی کے لیے کیا حاصل ہوتا ہے؟ تو سوائے جہالت کے کچھ بھی نظر نہیں آتا، اور یہ جہالت بھی ایسی خطرناک کہ ان کو کبھی اس کا اعتراف نہ ہوگا، فرائض وواجبات کی حد تک جاہل رہ کر مر جاتی ہیں، یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔

اصل میں یہ تو ہمارے حکمرانوں کا فرض تھا کہ وہ دین کی حفاظت کرتے، اور اس تعلیم کو عام کرنے کے لیے شہر شہر، بستی بستی بلکہ ہر گلی کوچہ میں ایسے ادارے قائم کرتے جہاں صحیح دینی تعلیم دی جاتی، تاکہ مسلمان کے گھر اور ملک میں پیدا ہونے والی نسل انسانی محض زبانی نہیں بلکہ علمی بصیرت کے ساتھ یہ جانتی کہ وہ مسلمان ہے، اور اسلام کیا ہے؟ یہ کوئی صرف نظریاتی بات نہیں ہے بلکہ ہم نے عملاً اور تجربہ سے اس میں کوتاہی کے بھیانک نتائج دیکھ لیے ہیں، دینی تعلیم سے اجتماعی روگردانی کے نتیجے میں ہم بہت تلخ تجربات سے گزرے ہیں اور مسلسل گزر رہے ہیں، علوم نبوت کی بے وقعتی کر کے ہم نے بہت بڑے اجتماعی گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا مل رہی ہے اور اگر اب بھی نہ سدھرے تو مزید اس سے بھی سخت سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بالخصوص مسلمان بچیوں کو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جس سے ان کے اندر خوف خدا و فکر آخرت پیدا نہ ہو، جو عفت، عصمت، شرم وحیاء اور بلند اخلاق و کردار کی بنیاد ہے، صرف اس لالچ کی وجہ سے کہ اس تعلیم کے نتیجے میں شاید ان کو کہیں نوکری مل جائے، اپنی بیٹیوں کی پاکیزہ زندگیوں کو داؤ پر لگادینا کہاں کی عقل مندی یا انصاف ہے، کیا ایک مسلمان بچی کی حسن سیرت، عفت وعصمت، پاک جذبات اور بلند کردار والی زندگی کے مقابلے میں آپ کے نزدیک دنیا کے صرف چند ٹکے زیادہ قدر وقیمت رکھتے ہیں، کیا اس سے پہلی نسلیں جب عورتیں نوکری نہیں کرتی تھیں، بھوکی مر گئیں اور آج بھی اکثریت عورتوں کی نوکری نہیں کرتی تو کیا ان کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در حقیقت وہ علم علم ہی نہیں جس سے مقصد کچھ اور ہو چنانچہ آج جعلی ڈگریوں کے حصول کی دوڑ واضح ثبوت ہے کہ اس تعلیم وڈگری کا حصول ملازمت کے لیے ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حقیقی معنوں میں جو علم ہے اور اللہ اور رسول جس علم کے فضائل بیان فرمارہے ہیں وہ خود ایک عظیم مقصد ہے، اس کا حصول خود ایک عظیم کمال اور خوبی ہے، اس کے حصول کے بعد دنیا میں کچھ ملے یا نہ ملے وہ خود ایک عظیم صفت ہے۔

مسلمانو! آپ نے اپنی بچیوں کی بہتری کے لیے جو راستہ منتخب کیا ہے اور جو ہدف سوچا ہے اس کا نتیجہ سراسر خسارہ ہے، یہ عورت کی نوکریاں اور ملازمتیں جو مغربی تہذیب کے پامال تحفے ہیں یوں بھی خلاف فطرت کام ہیں، یہ عورت کی فطری صلاحیتوں، ذمہ داریوں اور تخلیق عورت سے جو خالق کائنات کا مقصد ہے اس سب کے خلاف ہے۔

ایک وقت تھا جب اس موضوع پر بحث کی گنجائش ہوا کرتی تھی لیکن اب مشرق ومغرب کے مفکرین یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مغرب والوں نے آزادی نسواں کے دلفریب نعرے پر عورت کو چار دیواری سے نکال کر فطرت سے بغاوت کی ہے اور اس کا خمیازہ طویل عرصہ تک ان کو بھگتنا پڑے گا۔

روس کے سابق صدر گورباچوف نے اپنی کتاب "پرائسٹیکا" میں اس کڑوی حقیقت کا اعتراف کیا اور یہ رائے دی ہے کہ اب ہمارے لیے وہ طریقہ سوچنا ناگزیر ہو گیا ہے جس سے عورت ایک بار پھر چار دیواری کے اندر چلی جائے تاکہ ہمارا خاندانی نظام درست ہو سکے اور ہم فطرت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اسلام کا تو روز اول سے ہی یہ اٹل قانون چلا آ رہا ہے کہ عورت کی روٹی، کپڑے اور مکان کی ذمہ داری مرد پر ہے، چاہے وہ مرد باپ کی صورت میں ہو یا شوہر کی صورت میں ہو، اس لیے کہ عورت اپنے تخلیقی مقصد یعنی افزائش نسل، بچوں کی پرورش اور گھر ہستی کی ذمہ داریوں جیسے کاموں سے ہی فراغت وفرصت نہیں پاسکتی، مزید اگر اس کے ساتھ بیرون خانہ کوئی ذمہ داری اس پر ڈالی جائے تو یہ اس پر ظلم ہوگا کہ عورت فطری ساخت پرداخت کے لحاظ سے کمزور اعصاب اور نازک اندام واقع ہوئی ہے۔ اگر عقیدے اور نظریئے کے طور پر اسلام کی یہ تعلیم کسی کو نہیں بھاتی تو آیئے ان لوگوں سے معلوم کرتے ہیں جنہوں نے فطرت سے بغاوت کی اور عملاً تجربہ کیا کہ اب وہ کس نتیجے پر پہنچے ہیں، نمونے کے طور پر صرف دو ایک حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے چنانچہ مغرب کا ایک دانشور کہتا ہے:

"عورت کو چاہیے کہ عورت رہے، ہاں بیشک عورت کو چاہیے کہ عورت رہے اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے، یہ قدرت کا قانون ہے یہ قدرت کی ہدایت ہے، اس لیے جس قدر عورت اس کے قریب تر ہوگی اس کی حقیقی قدر ومنزلت بڑھے گی، اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے" (المراۃ المسلمۃ مترجم ص35)

یہ فلاسفر عورت کو جو عورت رہنے کی تعلیم دے رہا ہے در حقیقت اس کی نظر میں یورپ کی وہ عورتیں ہیں جو قانون فطرت سے باغی ہو کر گھروں سے نکل چکی ہیں، وہ عورت ہی نہیں ہیں، گویا کچھ اور ہی ہیں، یہی مفکر ایک اور جگہ کہتا ہے۔

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کا فرض انجام دیتی ہے مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی۔" (حوالہ بالا)

یورپ کا ایک مفکر "اگسٹ کونٹ" کہتا ہے۔

"شوہر یا کسی اور رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر عورت کے لیے گھر سے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے کیوں کہ حتی الامکان عورت کی زندگی منزلی دائرے میں محدود رہنی چاہیے اور ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے۔ (حوالہ بالا ص45)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تو ایک ضمنی بات تھی جس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دی، اس کی ابتدا اس سے ہوئی تھی کہ مسلمانوں نے جس بھاری قیمت کے عوض اپنی بچیوں کا جو دنیوی مفاد سوچا ہے وہ بھی ان کی طبیعت، فطرت، اور مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کے لیے ایک بوجھ، اضافی ذمہ داری اور مصیبت ہے۔ بجائے اس کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اس بات کی فکر و انتظام کرتے کہ کس طرح اپنی بچیوں کو علوم نبوت سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی پا سکیں اور ان کے لیے ذریعہ نجات بنیں۔ معاشرے کی صلاح یا بگاڑ میں عورت کا کلیدی کردار ہے، ہر بچے کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، جن اخلاق و کردار والی ماں ہوگی بچے پر بھی انہی کا اثر ہوگا، ماہرین نے تو یہاں تک کہا کہ حالت حمل میں عورت جن احساسات سے گزرتی ہے، بچے کے مزاج میں ان احساسات کا بھی اثر ہوتا ہے، ہٹلر نے کہا تھا "تم بہترین مائیں تیار کرو میں تمہیں دنیا کی اعلیٰ ترین فوج دوں گا۔" مسلمانوں کو عظیم مائیں تیار کرنے کی فکر و انتظام کرنا چاہیے ایسی مائیں جنہوں نے کبھی ملت اسلامیہ کو امام ابو حنیفہ، عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، سلطان ٹیپو، محمود غزنوی، محی الدین اورنگزیب عالمگیر جیسے فرزند دیے تھے، وہ مائیں علوم نبوت سے آگاہ اور اسلامی سیرت و اخلاق میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ عورتوں میں آج علوم نبوت سے ناواقفیت جتنی بڑھ گئی ہے، اتنی کبھی نہ تھی، جس کی وجہ سے بہت خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اس لیے عورتوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا اس وقت فرض ہے، بالخصوص کچھ عورتیں ایسی تیار کرنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جو عورتوں کے متعلق شرعی مسائل کو تفصیل سے جاننے والی ہوں، تاکہ وہ دوسری مسلمان خواتین کی صحیح راہنمائی کر سکیں، اور انہیں جائز و ناجائز، حلال و حرام کی حدود بتا اور سمجھا سکیں چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تعلیم نسواں کی فرضیت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "یہاں تین مقدمہ قابل غور ہیں، اول یہ کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے گو بالغیر سہی، جیسے جو شخص پیادہ سفر حج قطع کرنے پر قادر نہ ہو اور اس شخص کے زمانے میں ریل اور آگبوٹ ہی ذریعہ قطع سفر کا متعین ہو اور اس کے پاس اس قدر وسعت و استطاعت بھی ہو تو اس شخص پر واجب ہوگا کہ سفر کا عزم کرے اور ریل و آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر اس میں سوار ہو، سو ریل و آگبوٹ کا ٹکٹ خریدنا اور اس پر سوار ہونا فی نفسہ شرعاً فرض نہیں، لیکن چونکہ ایک فرض کا ذریعہ ہے اس لیے یہ بھی فرض ہوگا مگر بالغیر پس یہ مقدمہ تو ثابت ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ علم کا اذہان میں قابل اطمینان درجہ محفوظ رہنا موقوف ہے کتب کے پڑھنے پر جو کہ تعلیم کا متعارف طریقہ ہے اور محفوظ رکھنا تعلیم کا واجب ہے، پس بنا پر مقدمہ اولی بطریق متعارف تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہے، البتہ واجب علی الکفایہ ہے، یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں کہ اہل حاجت کے سوالوں کا جواب دے سکیں۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریات دینیہ کے لیے کافی وافی نہیں ہے دو وجہ سے، اولاً پردے کے سبب کہ وہ بھی اہم الواجبات ہے، تو سب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریباً ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جائے تو بعض مستورات کو تو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے، اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے لیے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے، پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق از بس دشوار ہے، اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگی یا کسی کے گھر میں باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں، ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے تو سب کے شوہروں کا ایسا ہونا عادتاً ناممکن ہے تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں، اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کیا کریں۔ پس کچھ عورتوں کا بطریق متعارف تعلیم دینا واجب ہوا"

(اصلاح انقلاب امت ص265)

© rasailojaraid.com